پاکستان میں جمہوریت

یہودی و عیسائی عملی زندگی میں اللہ و رسول کے ہرگز قائل نہیں ہیں تمام معاملات زندگی سے وہ ... ہیں چاہے اچھی ہو یا بری وہ موذی اس میں روایت پرست نہیں ہیں چہرے کی بناوٹ، بالوں کی تراش خراش. لباس، بودو باش طرز زندگی (WAY OF LIFE) میں وہ نت نئی امنگوں کے ترجمان دکھائی دیتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ حیوانی زندگی میں بھی کچھ قدریں (VALUES) قائم کی جاسکتی ہیں اور معاشرے کو ان کا پابند بنایا جاسکتا ہے چونکہ اس معاشرہ کے افراد الہامی ادیان اور ان کے قائم کردہ نظام حیات کو اور نظام ریاست کو یکسر رد کر چکے ہیں اس لئے انہوں نے پرندوں اور حیوانوں کی زندگی کو اپنی حیوانی زندگی کے مشابہ پا کے اسی کو فطرت (NATURE) سمجھ لیا اور اس راہ پر چل نکلے پھر انہوں نے جنگل کے اس قانون فطرت سے خود کو باہر نکالا اور ایک زندگی کی داغ بیل ڈالی اور اسکو دنیا کی سب سے اچھی تہذیب (CULTURE) کہا پھر اس پر قابو پانے اور تنوع کے رنگوں سے اسے حسین بنانے پر دن رات ایک کر دیا پھر انہوں نے اپنی سیاسی. سائنسی اور صنعتی ترقی کے بل بوتے پر اسے برآمد (EXPORT) کیا اس وقت دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب رائج ہے معاشی اور سماجی زندگی میں نت بدلتی اقدار ان کا طرۂ امتیاز ہیں اور اب یہی جہاں والوں کو محبوب ہیں بایں ہمہ یہ کافر و مشرک نظام ریاست میں کچھ روایات اور اقدار کے پابند ہیں دور حاضر میں برطانیہ اور امریکہ کی مثال لے لیجئے برطانیہ میں تقریباً ۹ سو برس سے ملوکیت (KINGISM) موجود ہے۔ اور وہ قوم اس کنگ ازم کا ساتھ بناہ رہی ہے۔ لبرل پارٹی ہو یا کنزرویٹو دونوں اس بادشاہی کا اعزاز و اکرام کرتے اسکے احکام کو مانتے اور اس قدیم روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں دوسرے یہ کہ اس شاہی خاندان کا مرد ہو یا عورت وہ اپنی حیوانی زندگی میں قدیم روایت کے پاسدار رہیں گے ... روایت کو آگے بڑھائیں گے ان سے اگر کوتاہی ہوئی تو راندے جائیں گے اور عام "حیوانوں" میں شامل ہو جائیں گے۔ امریکی حکمران کسی سے نازیبا تعلق قائم کرنے کی وجہ سے نااہل قرار دیئے جاتے ہیں اور سیاست ملکی میں ان کا ... کوئی کردار نہیں ہوتا ایسے افراد گنوار اور ولگر شمار کئے جاتے ہیں ان کے لئے امریکی یہودیوں اور عیسائیوں کی اجتماعی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

برطانوی یہودی اور عیسائی حکمران کیریکٹر پر یقین رکھتے ہیں شراب پینا زنا کرنا ان کی گھٹی میں ہوتا ہے مگر حکمرانوں پر اس بات کی پابندی ہوتی ہے وہ حکمران کو ایک مخصوص طبقہ سے باہر نہیں جانے دیتے اسکی زندگی میں عوامیت نہیں ہوتی بلکہ عوامیت کو سرے سے پسند ہی نہیں کرتے۔ ووٹ، اور میرٹ پر ان کا یقین ہے منتخب لوگوں کو پانچ برس تک بخوشی قبول کرتے اور ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ منتخب لوگ کسی طبقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں ان کی یکساں عزت ہے یہاں تک کہ اسمبلی میں پہنچنے والے لوگ بھی اسی معیار پر پرکھے جاتے ہیں وہی مراعات، ترجیحات اور مفادات سب کو میسر ہوتے ہیں جو ایک منتخب فرد کیلئے آئین میں موجود ہیں۔

تمہید لمبی ہو گئی مگر دلچسپی سے خالی نہیں ہے قارئین بور نہیں ہونگے پھر بھی معذرت کیساتھ آگے چلتا ہوں ------ ہمارے ہاں تو گنگا ہی الٹی بہتی ہے گنگا تو ہندوستان میں بہتی ہے ہمارے ہاں تو سندھ الٹا بہہ نکلا ہے خدا خیر کرے (آمین) ہمارے سیاستدان نام جمہوریت کا لیتے ہیں مثالیں برطانیہ فرانس امریکہ کی دیتے ہیں اور کرتوت ازمنہ وسطی کے جاہل امریکہ کی پیش کرتے ہیں سب سے پہلے تو بابائے جمہوریت جناب نواب زادہ نصراللہ خاں کی بات کیجئے۔ کیا بات کیجئے آپ تو کسی ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر نہیں آتے آپ ۵۶ سے لیکر آج تک سیماب پا ہیں حال ہی میں نواب صاحب نے آٹھویں ترمیم کے خلاف وہ رٹ لگائی اتنا شور مچایا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی مگر صاحب ملاحظہ فرمائیے آٹھویں ترمیم کے مخالف نواز شریف کی جمہوری حکومت کے خلاف وہ یوں بھڑک اٹھے جیسے مستقبل کی تمام کامیابیوں کی انہیں یقین دہانی ہو چکی ہے اور اب اسحق خان سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ "میں حیران ہوں کہ اسحق نواز شریف حکومت کو ختم کیوں نہیں کرتے" یہ وہی نواب صاحب ہیں جو آٹھویں ترمیم کے دشمن ہیں لیکن اب اسی آٹھویں ترمیم کی طاقت کے سہارے غلام اسحق سے نواز شریف حکومت کو ختم کرانے کا مطالبہ کر رہے ہیں حیرت کا مقام ہے یہ اسی آدمی کی گفتگو ہے جو آٹھویں ترمیم کی دشمنی میں دشمنوں دوستوں سب کو جمع کر کے ببانگ دہل اٹھویں ترمیم ختم کرو کا نعرہ اسطرح لگا رہے تھے جیسے مل مزدور بونس لینے کیلئے مزدور اتحاد کر لیتے ہیں اور پھر دروازے پر دھرنا مار لیتے ہیں یعنی نواب صاحب اس عداوت میں عام سطح پر بھی تشریف لے آئے مگر "کٹہرے" میں فرمایا کہ سیاسی عمل کے جاری رہنے سے روایات قائم ہوتی ہیں نواب صاحب کے اس گرامی قدر فقرے کی روشنی میں ہم انکی سیاسی زندگی کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو نواب صاحب دوڑتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں اور دوڑنے کی روایت ہی قائم کر سکے ہیں باقی تو ہمیں درج ذیل روایات ملتی ہیں

۱۔ سیاست میں کوئی بات حتمی نہیں۔ گویا آپ نے جو کل وعدہ فرمایا تھا وہ کل کی نذر ہوا اب آج کی بات کریں یہ کل آپ نے حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگایا آج جمہوریت پھر نظام مصطفٰی کا نعرہ لگایا آج پھر جمہوریت! تب آپ نے کہا اٹھویں ترمیم غلط آج اٹھویں ترمیم کا نواز شریف ٹیٹوا دبایا تو آپ غلام اسحق کی بغل میں تھے۔

۲۔ کل کا دوست آج کا دشمن اور کل کا دشمن آج کا دوست ہو سکتا ہے یعنی کل نواز شریف دوست تھا آج بدترین دشمن۔

کل بے نظیر بدترین دشمن تھی آج بہترین سیاسی سہیلی

۳۔ ۴۷ میں مسلم لیگ ٹوڈیوں سروں خان بہادروں ماضی کے یونینسٹوں کی جماعت تھی اور قابل نفرت تھی نظام مصطفٰے تحریک میں قابل محبت، صحبت میر میں ڈھلی ہوئی، قند کی ڈلی۔

۴۔ آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں بھی شریک تھے اور آپ مرزائیوں کو مرتد کہنے سے گریز بھی کرتے تھے۔

یعنی جھوٹ، مکر، دغا، بے وفائی، کہہ مکرنی، بھول جانے کی عادت، منافقت، ریاء کاری، سازش یہ ہماری پاکستانی جمہوریت اور بابائے جمہوریت کے لازم ملزوم اوصاف ہیں یعنی ان دونوں میں گل و بلبل کا رشتہ ہے گل نہ

ہو تو بلبل نہیں جمہوریت مع مذکور اوصاف کے نہ ہو تو نواب صاحب نہیں۔
یا حسراتی
نواب صاحب کا تذکرہ براہ راست اس لئے آگیا کہ ہمیں ان سے ایسے اعمال کی توقع نہیں تھی نواب صاحب ہمارے بزرگوں کے صحبت چشیدہ و نم خوردہ اور فیض یافتہ ہیں لیکن انہوں نے ایسے سیاسی چولے بدلے ہیں کہ ماضی کے یونینسٹ بھی بھول گئے اس ملک میں تو جسکی دم اٹھاؤ وہی مادہ اور جسکا نقاب سرکاؤ وہی مادر مادر۔ یہاں اس لئے بھی نواب صاحب کا ذکر خیر ضروری سمجھا کہ وہ پاکستان میں جمہوریت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔
اے وائے بہارے اگر اینسنت بہارے

منو بھائی کے نام۔۔۔۔۔۔۔!

(ممتاز کالم نگار منو بھائی نے روزنامہ پاکستان میں اپنے ایک کالم میں ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے حالیہ انقلابی فیصلوں اور موجودہ سیاسی صورت حال پر جو تبصرہ کیا اس کا مفہوم کچھ اسطرح تھا کہ پاکستان میں انصاف حاصل کرنے کیلئے مہنگے وکیل اور جانبدار جج کا ہونا ضروری ہے۔ ذیل کی تحریر اس کالم پر رواں تبصرہ ہے۔)

"سچ بولنے کے جرم میں مجھے مجرم قرار دیا گیا میں سوچتا ہوں کیا اب کوئی سچ بدلے گا"۔

جبران

موجودہ "عدالتی نظام" فرنگی کی دین ہے اس نے مغصوبہ ملک کے باسیوں پر راج کرنے کیلئے یہ نظام بنایا اور اسکی پیشانی پر لکھ دیا۔
"حکمران اور بیوروکریٹ قانون کی گرفت میں نہیں آتے"

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں اس دور کی ایک طوائف اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کر کے مجاہدین آزادی کے شریک سفر ہوئی جنگ میں شکست ہوئی تو وہ بھی گرفتار ہو کے فرنگی موذیوں کے سامنے پیش کی گئی۔ فرنگی بیوروکریٹ نے کہا معافی مانگ لو یا پھانسی کے تختے پر جھول جاؤ۔ وہ توبہ کرنے والی طوائف پھانسی کے تختے پر جھول گئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد گرفتار ہوئے فرنگی نے انہیں کچہری (عدالت) میں آنے کا موقع دیا تو مولانا آزاد نے مسٹر مجسٹریٹ کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری "عدالتیں" انصاف فراہم نہیں کرتیں بلکہ تاریخ کے سب سے بڑے ظالمانہ فیصلے یہیں ہوتے ہیں۔

باقی کے فیصلوں پر نظر دوڑائیں تو پاکستان کی سیاسی تاریخ ایسے الجھی ہوئی ہے جیسے کسی ملنگنی کے بال! اس میں اس کچہری کے نظام کی خرابیاں بھی ویسی ہیں جیسے ان بالوں میں موٹی موٹی چمکدار جوئیں۔
انصاف کی بنیاد اگر نظریہ پر ہے تو ماضی میں جس نظریہ نے ہمیں اسیر کئے رکھا ہے اسی ماضی کے فیصلے کیونکر غلط؟

اور اگر انصاف کی بنیاد معروضی حالات پر ہے اور اسکے ساتھ ہی انصاف کی بنیاد بین الاقوامی "تعلقات و مراعات" پر ہے تو بھی یہ فیصلے کیوں ہوئے؟ اور اگر انصاف کی بنیاد بدلتے ہوئے سیاسی رجحانات پر قائم ہو تو یہ تمام فیصلے غلط ہوسکتے ہیں۔

اگر انصاف کی بنیاد دلوں کے بھید جاننے والے جبار و قہار کے سامنے پیش ہونے پر استوار ہو تو فیصلہ غلط ہونے کے تمام جوازات محو ہوجاتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ

دس ججوں کے مقابلے میں ایک صحافی وہ بھی صرف کالم نویس اور مسلکہ معاشیات پر بدلنے والے آشیانے کا پنچھی

اس فیصلے کو غلط کہنے تو سوچنا پڑے گا۔

کہ کس کس مقام پر کیسے کیسے لوگ کب کب اور کیونکر سچ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔

○

تبدیلی ٹیلی فون نمبر

دفتر، ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا ٹیلیفون نمبر تبدیل ہوگیا ہے نیا نمبر نوٹ فرمالیں۔

511961

~~72813~~